وہ ہی ہوتا ہے جو پہلے کلمہ کا تھا اور اگر بغیر الف لام تعریف کے مکرر لایا جائے تو دونوں کے مصداق الگ الگ ہوتے ہیں اس آیت میں العسر جب مکرر آیا تو معلوم ہوا کہ اس سے وہ پہلا ہی عُسر مراد ہے کوئی نیا نہیں۔ اور لفظ یُسرًا دونوں جگہ بغیر الف لام کے لایا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ یہ دوسرا یُسر پہلے یُسر کے علاوہ ہے تو اس آیت میں اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا کے تکرار سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عُسر و مشکل کے لئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دو سے مراد بھی خاص دو کا عدد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ایک عُسر یعنی تنگی اور مشکل جو آپ کو پیش آئی یا آئے گی اُس کیساتھ بہت سی آسانیاں آپ کو دی جائیں گی۔

حضرت حسن بصریؒ سے مرسلاً روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو اس آیت سے بشارت سُنائی اور فرمایا لن یّغلب عُسْرٌ یُسْرَیْنِ یعنی ایک عُسر دو یُسروں پر (ایک مشکل دو آسانیوں پر) غالب نہیں آسکتی۔ چنانچہ تاریخ وسیرت کی سب کتابیں جو اپنوں اور غیروں، مسلم وغیر مسلم نے لکھی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں کہ جو کام مشکل سے مشکل بلکہ لوگوں کی نظر میں ناممکن نظر آتے تھے آپ کے لئے وہ سب آسان ہوتے چلے گئے۔ روایتِ مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ اس آیت میں العُسر کا الف لام عہد کے لئے ہے اور مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا عُسر ہے، یعنی یہ وعدہ کہ ہر مشکل کے ساتھ بہت سی آسانیاں دی جائیں گی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے لئے ہے جس کو حق تعالیٰ نے ایسا پورا فرمایا کہ دُنیا نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب اگر دُنیا میں کسی شخص کو عُسر کے بعد یُسر نصیب نہ ہو تو وہ اس آیت کے منافی نہیں، البتہ عادۃ اللہ اب بھی یہی ہے کہ جو شخص سختی پر صبر کرے اور سچے دل سے اللہ پر اعتماد رکھے اور ہر طرف سے ٹوٹ کر اُسی سے لو لگائے اور اُسی کے فضل کا اُمیدوار رہے اور کامیابی میں دیر ہونے سے آس نہ توڑ بیٹھے تو ضرور اللہ تعالےٰ اُس کے حق میں آسانی کر دیگا (فوائد عثمانیہ) بعض روایاتِ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

تعلیم تبلیغ کرنے والوں کو خلوت میں ذکر اللہ اور توجہ الی اللہ بھی ضروری ہے

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ○ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ، یعنی جب آپ ایک محنت یعنی دعوت حق اور تبلیغ احکام سے فارغ ہوں تو (دوسری) محنت کے لئے تیار ہو جایئے وہ یہ کہ نماز اور ذکر اللہ اور دُعاء و استغفار میں لگ جائیں۔ اکثر حضرات مفسرین نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ بعض حضرات نے دوسری تفسیریں بھی لکھی ہیں مگر اقرب وہی ہے جو اوپر لکھی گئی، اسکا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ اور خلقِ خدا کو راستہ دکھانا اُن کی اصلاح کی فکر یہ آپ کی سب سے بڑی عبادت تھی مگر یہ عبادت بواسطہ مخلوق ہے کہ ان کی اصلاح پر توجہ دیں اور اسکی تدبیر کریں، آیت کا مقصود یہ ہے کہ صرف اس عبادت بالواسطہ پر آپ قناعت نہ کریں بلکہ جب اس سے فرصت ملے تو بلا واسطہ خلوت میں حق تعالےٰ کی طرف متوجہ ہوں اُسی سے ہر کام میں کامیابی کی دُعا کریں کہ اصل مقصود جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا ہے وہ ذکر اللہ اور عبادت بلا واسطہ ہی ہے اور شاید اسی لئے پہلی قسم یعنی عبادت بالواسطہ سے فراغت کا ذکر فرمایا کہ وہ کام ایک ضرورت کے لئے ہے اُس سے فراغت ہوسکتی ہے اور دوسرا کام

یعنی توجہ الی اللہ ایسی چیز ہے کہ اس سے فراغت مؤمن کو کبھی نہیں ہوسکتی بلکہ اپنی ساری عمر اور توانائی کو اسمیں صرف کرنا ہے۔

فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ علماء جو تعلیم و تبلیغ اور اصلاحِ خلق کا کام کرنے والے ہیں اُن کو اس سے غفلت نہ ہونا چاہیئے کہ اُن کا کچھ وقت خلوت میں توجہ الی اللہ اور ذکر اللہ کے لئے بھی مخصوص ہونا چاہیئے جیسا کہ علماء سلف کی سیرتیں اس پر شاہد ہیں اسکے بغیر تعلیم و تبلیغ بھی موثر نہیں ہوتی اُن میں نور و برکت نہیں ہوتی۔

فائدہ لفظ فَانْصَبْ، نصب سے مشتق ہے جس کے اصلی معنے تعب اور تکان کے ہیں اسمیں اشارہ پایا جاتا ہے کہ عبادت اور ذکر اللہ اس حد تک جاری رکھا جائے کہ کچھ مشقت اور تکان محسوس ہونے لگے، صرف نفس کی راحت وخوشی ہی پر اسکا مدار نہ رہے اور کسی وظیفہ اور معمول کی پابندی خود ایک مشقت اور تعب ہے خواہ کام مختصر ہی ہو۔

تمت سورۃ الانشراح والحمد للہ

سُوْرَةُ التِّيْنِ

سُوْرَةُ التِّيْنِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانُ اٰيَاتٍ

سورۂ تین مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی آٹھ آیتیں ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣ لَقَدْ

قسم انجیر کی اور زیتون کی اور طور سینین کی اور اس شہر امن والے کی ہم نے

خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۝٤ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝٥

بنایا آدمی خوب سے اندازے پر پھر پھینک دیا اُس کو نیچوں سے نیچے

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ۝٦ فَمَا

مگر جو یقین لائے اور عمل کئے اچھے سو اُن کے لئے ثواب ہے بے انتہا پھر تو

يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۝٧ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝٨ ع ۱ / ۲۰

اسکے پیچھے کیوں جھٹلائے بدلہ ملنے کو کیا نہیں ہے اللہ سب حاکموں سے بڑا حاکم

خلاصۂ تفسیر

قسم ہے انجیر (کے درخت) کی اور زیتون (کے درخت) کی اور طور سینین کی اور اس امن والے شہر (یعنی مکہ معظمہ) کی کہ ہم نے انسان کو بہت خوبصورت سانچہ میں ڈھالا ہے پھر (ان میں جو بوڑھا ہو جاتا ہے) ہم اسکو پستی کی حالت والوں سے بھی پست تر کر دیتے ہیں (یعنی وہ خوبصورتی بدصورتی سے اور قوت ضعف سے بدل جاتی ہے اور بڑے سے بُرا ہو جاتا ہے مقصود اس سے بیان کرنا کمال قبح کا ہے جس سے اُن کے دوبارہ پیدا کرنے پر حق تعالیٰ کی قدرت ہونا واضح ہوتا ہے کقولہ تعالیٰ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ الخ اور مقصود اس سورت کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت دوبارہ پیدا کرنے اور زندہ کرنے پر ثابت کرنا ہے جیسا کہ فَمَا یُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ کے جملے سے اس طرف اشارہ پایا جاتا ہے اور اس آیت کے عموم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بوڑھے سب کے سب قبیح اور بُرے ہو جاتے ہیں اس ایہام کو دُور کرنے کے لئے آگے آیت میں ایک استثناء بیان کیا جاتا ہے کہ) لیکن جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو اُن کے لئے اسقدر ثواب ہے جو کبھی منقطع نہ ہوگا (جس میں بتلا دیا کہ مومن صالح بوڑھے ضعیف ہو جانے کے باوجود انجام کار کے اعتبار سے اچھے ہی رہتے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ان کی عزت بڑھ جاتی ہے، آگے خَلَقْنَا اور رَدَدْنٰهُ پر تفریع ہے کہ جب اللہ تعالیٰ تخلیق و تقلیب احوال پر قادر ہیں) تو (اے انسان) پھر کون چیز تجھ کو قیامت کے بارے میں منکر بنا رہی ہے (یعنی وہ کونسی دلیل ہے جس کی بنا پر تو ان دلائل کے ہوتے ہوئے قیامت کا منکر ہو رہا ہے) کیا اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑھ کر حاکم نہیں ہے (تصرفات دنیویہ میں بھی جن میں سے تخلیق انسانی اور پھر بڑھاپے میں اُس میں تغیرات کا ذکر اوپر آیا ہے اور تصرفات اخرویہ میں بھی جن میں سے قیامت و مجازاۃ بھی ہے)

معارف و مسائل

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ، اس آیت میں چار چیزوں کی قسم کھائی گئی ہے جن میں دو درخت ہیں ایک تین یعنی انجیر، دوسرے زیتون اور ایک پہاڑ طور اور ایک شہر یعنی مکہ مکرمہ کی، اس تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ یہ دونوں درخت کثیر البرکت کثیر المنافع ہیں جس طرح طور پہاڑ اور شہر مکہ کثیر البرکت ہیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں تین اور زیتون کے ذکر سے مراد وہ جگہ ہو جہاں یہ درخت کثرت سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ ملک شام ہے جو معدن انبیاء علیہم السلام ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی ملک میں مقیم تھے انکو ہجرت کرا کر مکہ معظمہ لایا گیا تھا اسطرح ان قسموں میں تمام وہ مقامات مقدسہ شامل ہو گئے جہاں خاص خاص انبیاء علیہم السلام پیدا اور مبعوث ہوئے، ملک شام عام انبیاء علیہم السلام کا وطن اور مسکن ہے۔ کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونے کی جگہ ہے اور سینین یا سینا، اُس مقام کا نام ہے جہاں یہ پہاڑ واقع ہے اور

بلد امین مکہ مکرمہ خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کا مولد و مسکن ہے۔

ان چار چیزوں کی قسم کھا کر فرمایا گیا لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ، تقویم کے لفظی معنے کسی چیز کے قوام اور بنیاد کو درست کرنے کے ہیں۔ احسن تقویم سے مراد یہ ہے کہ اسکی جبلت و فطرت کو بھی دوسری مخلوقات کے اعتبار سے احسن بنایا گیا اور اُس کی جسمانی ہیئت اور شکل و صورت کو بھی دُنیا کے سب جانداروں سے بہتر اور حسین بنایا گیا۔

انسان تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین ہے۔

جسکا حاصل یہ ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ حسین بنایا ہے۔ ابن عربی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں کوئی انسان سے احسن نہیں کیونکہ اُس کو اللہ تعالیٰ نے حیات کیساتھ عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر، مدبر اور حکیم بنایا ہے اور یہ سب صفات در اصل خود حق سبحانہ و تعالیٰ کی ہیں۔ چنانچہ بخاری و مسلم کی روایت میں آیا کہ: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا ہے۔ مراد اس سے یہی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا کوئی درجہ اس کو بھی دیا گیا ہے ورنہ حق تعالیٰ ہر شکل و صورت سے بری ہے (قرطبی)

. . . .

. . . .

. . . .

حسن انسانی کا ایک عجیب واقعہ

قرطبی نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی جو خلیفہ ابو جعفر منصور کے دربار کے مخصوص لوگوں میں سے تھے اور اپنی بیوی سے بہت محبت رکھتے تھے ایک روز چاندنی رات میں بیوی کے ساتھ بیٹھے ہوئے بول اُٹھے انت طالق ثلاثا ان لم تکونی احسن من القمر یعنی تم پر تین طلاق ہیں، اگر تم چاند سے زیادہ حسین نہ ہو، یہ کہتے ہی بیوی اُٹھ کر پردہ میں چلی گئی کہ آپ نے مجھے طلاق دیدی، بات ہنسی دل لگی کی تھی مگر طلاق کا حکم یہی ہے کہ کسی طرح بھی طلاق کا صریح لفظ بیوی کو کہہ دیا جائے تو طلاق ہو جاتی ہے خواہ ہنسی دل لگی ہی میں کہا جائے۔ عیسیٰ بن موسیٰ نے رات بڑی بے چینی اور رنج و غم میں گزاری صبح کو خلیفہ وقت ابو جعفر منصور کے پاس حاضر ہوئے اور اپنا قصہ سُنایا اور اپنی پریشانی کا اظہار کیا منصور نے شہر کے فقہاء اہل فتویٰ کو جمع کر کے سوال کیا سب نے ایک ہی جواب دیا کہ طلاق ہو گئی کیونکہ چاند سے زیادہ حسین ہونے کا کسی انسان کے لئے امکان ہی نہیں، مگر ایک عالم جو امام ابو حنیفہؒ کے شاگردوں میں سے تھے خاموش بیٹھے رہے منصور نے پوچھا کہ آپ کیوں خاموش ہیں تب یہ بولے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھکر سورۂ تین تلاوت کی اور فرمایا کہ امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کا احسن تقویم میں ہونا بیان فرما دیا ہے کوئی شے اس سے زیادہ حسین نہیں۔ یہ سُن کر سب علماء فقہاء حیرت میں رہ گئے کوئی مخالفت نہیں کی اور منصور نے حکم دے دیا کہ طلاق نہیں ہوئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ حسین ہے ظاہر کے اعتبار سے بھی اور باطن کے اعتبار سے بھی حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور بدنی ساخت کے اعتبار سے بھی، اس کے سر میں کیسے کیسے اعضاء کیسے کیسے عجیب کام کر رہے ہیں کہ ایک مستقل فیکٹری معلوم ہوتی ہے جسمیں بہت سی نازک باریک خود کار مشینیں چل رہی ہیں۔ یہی حال اسکے سینہ اور پیٹ کا ہے اسی طرح اسکے ہاتھ پاؤں کی ترکیب و ہیئت ہزاروں حکمتوں پر مبنی ہے۔ اسی لئے فلاسفہ نے کہا ہے کہ انسان ایک عالم اصغر یعنی پورے عالم کا ایک نمونہ ہے۔ سارے عالم میں جو چیزیں بکھری ہوئی ہیں وہ سب اسکے وجود میں جمع ہیں (قرطبی) صوفیائے کرام نے بھی اس کی تائید کی اور بعض حضرات نے انسان کے سر سے پیر تک کا سراپا لیکر اشیائے عالم کے نمونے اسمیں دکھلائے ہیں۔

ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ، پہلے جملے میں ساری مخلوقات اور کائنات سے احسن بنانے کا بیان تھا، اس جملے میں اسکے بالمقابل یہ بتلایا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی ابتدا اور شباب میں ساری مخلوقات سے زیادہ حسین اور سب سے بہتر تھا آخر میں اس پر یہ حالت بھی آتی ہے کہ وہ بد سے بدتر اور بُرے سے بُرا ہو جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ بدتری اور بُرائی اُس کی ظاہری جسمانی حالت کے اعتبار سے بتلائی گئی ہے کہ شباب ڈھلنے کے بعد شکل و صورت بدلنے لگتی ہے بڑھاپا اسکا روپ بالکل بدل ڈالتا ہے، بد ہیئت بدشکل نظر آنے لگتا ہے بیکار اور دوسروں پر بار ہو کر رہ جاتا ہے کسی کے کام نہیں آتا، بخلاف دوسرے جانوروں کے کہ وہ آخر تک اپنے کام میں لگے رہتے ہیں، انسان اُن سے دودھ اور سواری باربرداری کے اور دوسری قسم کے سیکڑوں کام لیتے ہیں، وہ ذبح کر دیئے جائیں یا مر جائیں تو بھی اُن کی کھال، بال، ہڈی، غرض جسم کا ریزہ ریزہ انسانوں کے کام میں آتا ہے بخلاف انسان کے کہ جب وہ بیماری اور بڑھاپے میں عاجز و درماندہ ہو جاتا ہے تو مادی اور دُنیاداری کے اعتبار سے کسی کام کا نہیں رہتا مرنے کے بعد بھی اسکے کسی جز سے کسی انسان یا جانور کو فائدہ نہیں پہنچتا، خلاصہ یہ ہے کہ اسکے اسفل السافلین میں پہنچ جانے سے مراد اس کی مادی اور جسمانی کیفیت ہے۔ یہ تفسیر حضرت ضحاکؒ وغیرہ ائمہ تفسیر سے منقول ہے (کما فی القرطبی)

اس تفسیر پر اگلی آیت میں جو مؤمنین صالحین کے استثناء یعنی اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کا ذکر ہے اسکا یہ مطلب نہیں کہ ان پر بڑھاپے میں کے حالات اور عجز و درماندگی نہیں آتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس جسمانی بیکاری اور مادی خرابی کا نقصان ان کو نہیں پہنچتا بلکہ نقصان صرف اُن لوگوں کو پہنچتا ہے جنھوں نے اپنی ساری فکر اور توانائی اسی مادی درستی پر خرچ کی تھی وہ اب ختم ہو گئی اور آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں بخلاف مؤمنین صالحین کے کہ انکا اجر و ثواب کبھی قطع ہونیوالا نہیں۔ اگر دُنیا میں بڑھاپے کی بیماری کمزوری اور عجز سے سابقہ بھی پڑا تو آخرت میں اُنکے لئے درجات عالیہ اور راحت ہی راحت موجود ہے اور بڑھاپے کی بیکاری میں بھی عمل کم ہو جائے تو باوجود اسکے نامہ اعمال میں وہ سب اعمال لکھے جاتے ہیں جو وہ قوت کے زمانے میں کیا کرتا تھا حضرت

انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے اعمال لکھنے والے فرشتے کو حکم دیدیتے ہیں کہ جو جو عمل خیر یہ اپنی تندرستی میں کیا کرتا تھا وہ سب اسکے اعمال نامہ میں لکھتے رہو (رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبخاری عن ابی موسیٰ مثلہ فی المریض والمسافر) اسکے علاوہ اس مقام پر مؤمنین صالحین کی جزاء جنت اور اسکی نعمتوں کو بیان کرنیکے بجائے لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ فرمایا ہے یعنی اُن کا اجر کبھی مقطوع و منقطع ہونیوالا نہیں۔ اسمیں اشارہ اسطرف بھی ہو سکتا ہے کہ اُن کا یہ صلہ دُنیا کی مادی زندگی ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کے لئے بڑھاپے اور ضعف میں ایسے مخلص رفقاء مہیا فرما دیتے ہیں جو اُن کے آخری لمحہ تک ان سے رُوحانی فوائد اُٹھاتے ہیں اور انکی ہر طرح کی خدمت کرتے ہیں اسی طرح بڑھاپے کا وہ وقت جب انسان مادی اور جسمانی طور پر معطل بیکار اور لوگوں پر بار سمجھا جاتا ہے، اللہ کے یہ بندے اُسوقت بھی بیکار نہیں ہوتے۔ اور بعض حضرات مفسرین نے اس آیت کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ عام انسانوں کے لئے نہیں بلکہ کفار و فجار کے لئے ہے۔ جنھوں نے خداداد احسن تقویم اور انسانی کمالات و شرافت اور عقل کو مادی لذائذ کے پیچھے برباد کر دیا تو اس ناشکری کی سزا میں اُن کو اسفل السافلین میں پہنچا دیا جائے گا، اس صورت میں اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا استثناء اپنے ظاہری مفہوم پر رہتا ہے کہ اسفل سافلین میں پہنچنے سے وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جو ایمان لائے اور عمل صالح کے پابند رہے کیونکہ ان کا اجر ہمیشہ جاری رہے گا (کذا فی المظہری)

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ، پچھلی آیات میں تخلیق انسانی کے کمال اور اُس پر حق تعالیٰ کے خاص انعام کا پھر بڑھاپے میں حالات کے انقلاب کا ذکر فرما کر اس آیت میں منکرین قیامت کو تنبیہ کی گئی ہے کہ قدرت الٰہیہ کے ایسے مناظر اور انقلابات دیکھنے کے بعد بھی کیا گنجائش ہے کہ تم آخرت اور قیامت کی تکذیب کرو، کیا اللہ تعالیٰ سب حکومت کرنے والوں پر حاکم نہیں۔

مسئلہ۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ تو اُس کو چاہیئے کہ یہ کلمہ کہے بَلٰى وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ اس لئے حضرات فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔

تمت سورۃ التین والحمد للہ ۳۰ شعبان سنہ ۱۳۹۱ھ